حکیم محمود احمد ظفر

باتیں شاہ جی کی

برصغیر پاک و ہند میں جب بھی "شاہ جی" کا لفظ بولا جاتا ہے تو سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس سے مراد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے لئے مختص ہو گیا ہے۔ شاہ جی کے اور بھی کئی القاب تھے۔ "بابا ڈنڈے والا" "احرار کا بوڑھا جرنیل" وغیرہ وغیرہ لیکن "شاہ جی" کے لقب نے جو شہرت پائی وہ کسی اور لقب کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس برصغیر میں آپ کی شہرت کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ شہرت آپ کی خطابت تھی۔ ہند و پاک کے ہر قریہ اور ہر شہر میں اس خطیب اسلام کی آواز خطابت گونجی اور چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ان کی آواز پر مردوں نے اپنی جانیں اور عورتوں نے اپنے زیورات نچھاور کر دیئے۔ شاہ جی اپنے وقت میں خطابت کے بادشاہ بلکہ خاتم تھے۔ ماضی مرحوم میں بھی ایسے لوگ خال خال تھے۔ اور مستقبل میں تو امیدیں ہی بانجھ ہو گئی ہیں۔ شاہ جی کی خطابت میں شیر کی گرج اور نسیم سحر کی سبک خرامی کا بہترین امتزاج تھا۔

قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ شاہ جی کی خطابت کے بارہ میں فرمایا تھا۔

"ان کا مشہور زمانہ وصف جس میں وہ بے مثال تھے۔ خطابت تھا۔ ان کی خطابت جاذبیت کا ایک جادو تھی۔ جس میں بے پناہ کشش تھی۔ ہزاروں انسانوں کا مجمع جو تاحد نظر پھیلا ہوا اور ان کی تقریر کی مسلسل زنجیر میں جکڑا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ جس میں کسی کا اکتا کر اٹھ جانا تو کیا معنی کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی تقریر اسے جکڑ کر باندھ لیتی تھی اور کیا مجال کہ کوئی شخص اپنی توجہ کو بھی ان سے ہٹا سکے۔"

"یہ کشش محض الفاظ کی نہ تھی۔ اور الفاظ محض میں یہ جاذبیت ہو بھی نہیں سکتی جب تک کہ الفاظ میں گہری معنویت نہ ہو اور محض معنویت بھی زنجیر کشش نہیں بن سکتی جب تک اس معنویت میں معرفت نہ ہو۔ اور محض معنویت بھی کشش کے اس مقام پر نہیں پہنچ سکتی۔ جب تک کہ اس میں محبت نہ ہو۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری بے مثال خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب معنویت صاحب معرفت اور صاحب عشق و محبت تھے۔ بالفاظ دیگر وہ محض انسان نہ تھے بلکہ صاحب دل انسان تھے۔ محبت نبوی ان کے دل کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اسی سے ان کے جوش کا تعلق تھا اور اسی سے ہوش کا اور اسی سے ان کی خطابت کا چشمہ ابلتا تھا۔ جس میں دوسروں کے دلوں کی رگ و پے میں سما جانے کی خصوصیت ہوتی تھی۔"

ایک خطیب کے لئے ذہین ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ قدرت نے شاہ جی کو ذہانت میں بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقرے جہاں شاہ جی کی طباعی اور ذہانت کی غمازی کرتے تھے۔ وہاں وہ بہت سی حقیقتوں اور صداقتوں کو بھی اجاگر کرتے اور ایک فہیم انسان اس چھوٹے سے فقرے سے ہی مسئلہ کی گہرائی

اور گیرائی کو سمجھ جاتا۔ ان سطور میں شاہ جی کے ان شہ پاروں کو پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جن میں انہوں نے بڑی بڑی حقیقتوں کو چند لفظوں اور جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ ان میں بعض وہ مجاہدانہ جملے بھی ہیں جو تیرگی سے الجھتے اور ستاروں سے کھیلتے ہیں۔ جن میں کچھ داستان حرم کے کدے اور کچھ نغمہ حق کی نے نوازی کے فقرات ہیں۔

جیل خانے کی آبرو

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن۔ اور مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویئے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں انکا سودا ہو ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے۔ جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی "آبرو" پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے۔ اور

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

لیکن ۱۹۲۱ء کی تحریک خلافت کے زمانہ قید طلب پر غور کرتا ہوں تو نگاہوں میں ایک تصویر سی کھنچ جاتی ہے۔ میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں احباب کی ایک یادگار بزم، سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی حدیث پڑھایا کرتے۔ عبدالمجید سالک دربار اکبری کا سبق دیتے، مولوی لقاء اللہ کی نپی تلی باتیں گفتگو میں رس پیدا کرتی ہے۔ صوفی اقبال پانی پتی کے "اشتلے" خدا کی پناہ! عبداللہ چوڑی والے کی ٹکسالی گالیاں تبرک کی طرح تقسیم ہوتیں اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے بچھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا اہتمام ہوتا۔ کبھی سالک صدر ہوتا کبھی آصف اور کبھی

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اختر علی خاں نے ایک دفعہ معرکہ کی غزل سنائی۔ سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا۔ میاں مقطع کہو۔ وہ کسی قدر جھنپیا میں نے کہا تو لو پھر مجھ سے سنو مقطع تھا۔

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں

(امیر مینائی)

تین چیزوں پر ایمان

شاہ جی اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت اور انگریز سے بغاوت یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب اور انگریز مغضوب خدا کو جو جی چاہے کہو اس کا محاسبہ وہ خود کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں ہے یہ عشق کا

ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا نہ اپنے پر اختیار۔ یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہو گا ہو جائے گا اور جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

باخدا دیوانہ باش و بامحمد ہوشیار

صرف قرآن کی ضرورت

شاہ جی فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسری کتاب پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ ہے قرآن وسنت میں ہے اور جو کچھ اس کے باہر ہے وہ باطل ہے اور ایک باطل شے کے مطالعہ کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر آج دنیا قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کی طرف نگاہ کر سکتی ہے تو میں کیوں نہ دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے اپنی تمام تر توجہ قرآن پر مرتکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں۔ میری باتوں میں اگر تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ جو چیز مجھے قرآن سے الگ کر دے اسے آگ لگا دوں۔

قرآن کی بلاغت

ایک موقع پر فرمایا۔

"اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جائیے۔ خود بولتی ہے کہ میں محمد پر اتاری گئی ہوں۔ بابو اس کی قسمیں نہ کھایا کرو۔ اس کو پڑھا کرو۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی طرح نہ سہی۔ اقبال کی طرح ہی پڑھ لیا کرو۔۔۔۔۔۔ دیکھا آپ نے کہ اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر ہلہ بول دیا پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں و [illegible]"

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

منکرین بشریت

ایک موقع پر منکرین بشریت کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو اور بٹیروں کی بھی لیکن ہم ایک سید ایسے ہیں کہ جن کی نسل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تم بشر نہیں مانتے تو ہم کس کی اولاد ہوئے"

مدح صحابہؓ

جن دنوں مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشن (لکھنؤ) کا زور تھا تو شاہ جی نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اور گرجدار آواز میں فرمایا۔ قدح صحابہ کرنے والو! خدا سے ڈرو۔ اتنے میں دور سے آواز آئی۔ شاہ جی خدا کا خوف کرو۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں (معاذ اللہ) کی مدح کرتے ہو۔ بس اس جملے سے شاہ جی جلال میں آگئے چہرہ تمتما اٹھا۔ پھر بلند آواز میں فرمایا۔ میں علیؓ کا بیٹا ہوں اور صدیقؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی مدح کرتا ہوں۔ اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول کے پہلو میں جگہ

ملی ہو تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟ پھر اس کے بعد صحابہ کے فضائل پر وہ تقریر کی کہ کائنات ہمہ تن گوش ہو گئی اور صرف بخاری کے قلندرانہ الفاظ ہی سنائی دیتے تھے۔

ازواج مطہرات اور اہلِ بیت

۱۹۵۳ء میں مظفر علی شمسی جیل سے منیر انکوائری کمیٹی میں بیان دینے کے لئے آئے۔ بیان دے کر جب واپس گئے تو شاہ جی نے پوچھا شمسی! کیا کیا سوالات ہوئے۔ شمسی نے ایک سوال یہ بھی بتایا کہ مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا تم ازواج مطہرات کو اہل بیت نبوت میں شمار کرتے ہو۔ شاہ جی نے پوچھا۔ اس سوال کا تم نے کیا جواب دیا مظفر علی شمسی نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ ہم ان کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے یہ سننا تھا کہ شاہ جی جلال میں آگئے اور فرمایا۔

اہلِ گلشن کے لئے بابِ گلشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ عائشہؓ

ایک دفعہ غالباً مظفر علی شمسی ہی نے دریافت کیا کہ خدیجہؓ اور عائشہؓ میں کیا فرق ہے؟

شاہ جی نے فرمایا۔

"خدیجہؓ کا نکاح محمد بن عبداللہ سے ہوا اور عائشہؓ کی شادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ بنیں اور یہ نبوت کی زوجہ بنیں"۔

قبور کی زیارت

ایک مرتبہ درگاہ امام ناصر (جالندھر) کے جلسہ میں کسی نے اس وقت کا اختلافی مسئلہ چھیڑ دیا۔ مخالفوں نے شاہ جی کے بارہ میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپؒ کا زیارت قبور کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ شاہ جی نے فرمایا!

"اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انگور نعمت خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں۔ کچھ اس میں شراب نکالتے اور عقل کی بازی بدلتے ہیں۔ میں بھی مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں اور تم بھی کرتے ہو۔ میں خدا کے فضل سے کچھ لے کر آیا ہوں اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آئے ہو"۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

قوم کی نفسیات

شاہ جی عام طور پر فرمایا کرتے تھے۔ میں نصف صدی اس ملک کے چپہ چپہ پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسیات یہ ہے کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

اذہان یورپ کے لطف و کرم کا نتیجہ

ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں یوپی کی سرزمین میں پہنچا تو میں نے اکثر لوگ ایسے دیکھے جو کالی اچکن اور سفید پاجامے پہنے ہوئے تھے مگر سروں پر انگریزی ٹوپی (ہیٹ) اور گلوں میں نکٹائیاں لٹک رہی تھیں۔ تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں غاصب یورپ کی سرزمین پر پھر رہا ہوں یا کہ غلامی کی زنجیروں سے گلو خلاصی کرنے والوں کی سرزمین میں آیا ہوں۔ تو یکایک میرے ذہن نے میری یاوری کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے جسم تو آزادی کے پرستاروں میں پلے ہیں لیکن اذہان یورپ کے لطف و کرم کا نتیجہ ہیں"

روس کی کتیا

شاہ جی چند احباب میں بیٹھے ہوئے تھے موضوع سخن تھا خلائی سائنس کی ترقی۔ ایک دوست نے کہا۔ "شاہ جی! سنا ہے کہ روس کی کتیا واپس آ گئی ہے۔ شاہ جی نے فرمایا۔ بھائی شکر کرو کہ تمہاری عزت و ناموس رہ گئی ورنہ اوپر والی مخلوق کو یہی گمان ہوتا کہ نیچے ایسی ہی مخلوق بستی ہے۔"

میرے دل نے غلطی نہیں کی

ایک موقع پر فرمایا کہ

"میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کیا۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے زیادہ وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو وفاداری کا ثبوت دیں۔"

"میں ان لوگوں میں نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرتا ہے۔ ملک سے غداری کرتا ہے اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔ میں ان لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں۔ میں ان کا وارث ہوں جو شہادت کے رستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔"

قول کا نہیں عمل کا آدمی

ایک موقع گفتگو پر فرمایا!

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ صدا دیتے پھریں کہ میں توشۂ وفاداری لئے پھرتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو۔ میں خوش ہوں۔ میری خوشی بے کراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں بھی سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

"تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو۔ میری رائے ہار گئی۔ اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔ اب

پاکستان نے جب بھی پکارا۔ واللہ! باللہ! میں اس کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی۔ کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اس وطن اور عزت کے مقابلہ میں نہ اپنی جان عزیز سمجھتا ہوں اور نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اب بھی تمہارا ہے۔"

انگریز کی فطرت

ایک موقع پر فرمایا:

"انگریز کی فطرت کا خمیر سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اپنی غذا کے لئے اسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہوئی ہے بڑی مشکل سے چھوٹے گی"

ہندوؤں کا خدا

شاہ جی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ۔

"ہندو قوم مسلمانوں کا کیا مقابلہ کرے گی جس کا خدا (گائے) مسلمانوں کی غذا ہے"

قادیانیوں کو خطاب

ایک دفعہ شاہ جی نے قادیانیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے قادیانیو! اگر نیا نبی مانے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا اور اس کے بغیر تم جی نہیں سکتے تو ہمارے مسٹر جناح ہی کو نبی مان لو۔ ارے مرد تو تھا۔ جس بات پر ڈٹا کوہ کی طرح ڈٹ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے، اشکوں کی گھٹا چھائی، خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ارے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ ملی تو اسی کے قدموں میں تمام عمر گزار دی مگر انگریز کی نوکری نہیں کی حکومت سے خطاب نہیں لیا۔ انگریزوں سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی۔ اور ایک تمہارا نبی ہے کہ حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں"

جماعت کا بت

ایک مرتبہ شاہ جی دفتر احرار دہلی دروازہ لاہور میں تشریف فرما تھے۔ کئی اور احباب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ جی کے سامنے اخبار آیا جس کی شہ سرخی تھی کہ "حکومت نے مجلس احرار پر پابندی لگا دی" یہ سرخی پڑھ کر شاہ جی فرمانے لگے۔

"لو! یہ بھی ایک بت ٹوٹا" پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جماعت کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جماعت خود مقصد بن جاتی ہے۔ اس وقت جماعت ایک بت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ کیونکہ پھر جائز و ناجائز طریق سے آدمی اس جماعت کا دفاع کرتا رہتا ہے اور بت کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز آپ کو اللہ تک پہنچنے سے روکتی ہے وہ بت ہے۔

سیاسی بصیرت

شاہ جی ایک درویش طبع انسان تھے۔ لیکن سیاست میں بھی انہیں ایک خاص بصیرت عطا ہوئی تھی۔ وہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کے مصداق تھے۔ آپ کی وہ تقریر جو انہوں نے ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں قریباً پانچ لاکھ کے اجتماع میں کی۔ ان کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے؟ قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہو گا۔ لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانان ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے ولا ہے۔"

"بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ لیکن تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر مجھے کوئی اس بات کا یقین دلائے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا شہر کے کسی کوچہ میں حکومت الہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم ا میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں"

"لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے جن کا اٹھنا بیٹھنا، جن کا سونا، جن کا جاگنا، جن کی وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان و تہذیب، کھانا پینا، اور لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعۂ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں"-----

"ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا۔ اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔ آپکی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی یہ حالت ہو گی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہو گا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہو گی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر۔۔۔۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۸ اپریل ۴۶ء بحوالہ کردار قائد اعظم مصنفہ منشی عبد الرحمن ملتان)

شاہ جی کی یہ چند باتیں تھیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ ورنہ انکی زبان کا ایک ایک بول ایک انمول موتی تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جس شخص نے ابو حنیفۂ وقت حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ خلیفۂ ارشد حکیم الامت تھانوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہو اور شیخ العصر، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری کے چہرہ سے علم کشید کیا ہو اس کے منہ سے ایسی باتیں غیر متوقع بھی نہیں۔